33

مسلمانوں میں جمعۃ الوداع کا غلط اور سخت نقصان رساں خیال

(فرمودہ 9 اکتوبر 1942ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"رمضان آیا اور اب اس سال کے لئے جا رہا ہے۔ دنیا میں محبت کا تقاضا یہ ہوا کرتا ہے کہ جب کسی کی محبوب ہستی کچھ دیر تک جدا رہنے کے بعد اس کے ملنے کے لئے آتی ہے تو دونوں طرف سے آپس کی ملاقات کے لئے بے تابی پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے مثلاً اگر کوئی ریل پر آئے تو جن کو توفیق ہوتی ہے وہ سٹیشن پر جا کر ملنے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر اس قسم کا موقع بہم نہیں پہنچتا تو وہ گھر میں ہی بے تابی اور اضطراب کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں اتنی محبت نہیں ہوتی وہ اس آنے والے شخص کو کچھ عرصہ بعد جا کر مل لیتے ہیں۔ اسی طرح جب وہ شخص جس سے محبت ہوتی ہے جدا ہوتا ہے تو لوگ آخری گھڑی تک اس کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر جب وہ گھر سے جاتا ہے تب بھی اس کو جدا کرنا وہ آسان کام نہیں سمجھتے بلکہ ہو سکتا ہے تو سٹیشن تک اور اگر تانگہ یا موٹر کے ذریعہ جائے تو تانگوں اور موٹروں کے اڈے تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ پھر بعض لوگ اپنی محبت کے اظہار کے لئے یا محبت سے مجبور ہو کر سفر کا کچھ حصہ ساتھ طے کرتے اور اس طرح اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

رمضان بھی خدا تعالیٰ کی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک بدلہ ہوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزے کا بدلہ مَیں آپ ہوں[1] یعنی نیکی کے مختلف کاموں کے بدلہ میں کسی کو کچھ چیز ملتی ہے اور کسی کو کچھ، کوئی کام

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ اس کی دنیا کی مصیبتیں دور کر دو، کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے۔ اسے صاحبِ اولاد صالح بنا دو، کوئی اَور کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ مثلاً یہ فتویٰ دے دیتا ہے کہ اس نے برا کام کیا ہے، اسے فلاں سزا دے دو پھر کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس کی روزی میں کشائش کر دو پھر کوئی اَور اچھا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی آئندہ نسل میں کچھ عرصہ تک نیکی قائم کر دو۔ اسی طرح کوئی اَور نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دنیا میں کچھ عرصہ تک اس کا ذکرِ خیر پھیلا دو، کوئی اَور کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق حکم دیتا ہے کہ اسے جنت میں داخل کر دو۔ کوئی اَور نیکی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اسے جنت کے اعلیٰ مقام میں لے جاؤ مگر روزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ جو شخص صحیح طور پر اخلاص اور محبت اور نیک نیتی سے روزے رکھتا ہے، اس کے بدلہ میں ہم یہ نہیں کہتے کہ جاؤ، ہم نے تمہاری اولاد کو صالح بنا دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاؤ اس کے بدلے میں ہم نے تمہارے غم اور فکر کو دور کر دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاؤ اس کے بدلہ میں ہم نے تمہاری روزی میں کشائش پیدا کر دی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاؤ اس کے بدلہ میں ہم نے دنیا میں کچھ عرصہ تک تمہارا ذکر خیر قائم کر دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاؤ، اس کے بدلہ میں ہم نے تمہیں جنت کے فلاں ادنیٰ درجہ میں رکھ دیا ہے۔ نہ ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تمہیں جنت کا درمیانہ درجہ دے دیا ہے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تمہیں اس کے بدلہ میں جنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا ہے بلکہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم روزے شرائط کی پابندی کے ساتھ رکھتے ہو رمضان کا احترام قائم کرتے ہوئے رکھتے ہو اور اخلاص اور تقویٰ اور محبت سے رکھتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں لو ہم نے تمہیں اپنا آپ دے دیا۔ یہ کتنا چھوٹا سا فقرہ ہے مگر کتنے وسیع مطالب اس کے اندر پائے جاتے ہیں۔ بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑی چیز ہے۔ پس یہ چیز جنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات ملنے کے بعد حاصل ہونی چاہئے نہ کہ پہلے مگر یہ درست نہیں، جہاں بدلے کا سوال ہوتا ہے وہاں تو اعلیٰ اور ادنیٰ میں فرق کیا جاتا ہے مگر جہاں عشق کا سوال ہوتا ہے۔ وہاں ادنیٰ اور اعلیٰ میں اس رنگ میں فرق نہیں کیا جاتا۔ اگر اللہ تعالیٰ اعلیٰ سے اعلیٰ انعام کے

طور پر ملتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ سوائے محمد ﷺ کے اَور کسی کو اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب نہ ہوتی اور اگر اللہ تعالیٰ جنت کے نہایت اعلیٰ مقامات کے حصول کے بعد ہی ملتا تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبیوں کے سوا اَور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے وصال سے محروم رہ جاتے مگر محبت الٰہی کسی کا ٹھیکہ نہیں۔ عشق تو وہ بھی کر سکتا ہے جسے قرآن کریم کی پوری سمجھ نہیں۔ عشق وہ بھی کر سکتا ہے جس کا ظرف شریعت کے پورے مفہوم کو سمجھنے سے ابھی قاصر ہے۔ عشق وہ بھی کر سکتا ہے جو شریعت کو سمجھتا تو ہے مگر اس کا ماحول اس قسم کا نہیں کہ وہ شریعت پر پوری طرح عمل کر سکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس شعر کو جو مَیں آگے بیان کروں گا بہت ہی ناپسند کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے کہنے والے سے مجھے بڑی ہی محبت ہے مگر اس کا یہ قول مجھ پر بڑا گراں گزرتا ہے کیونکہ گو اس کا مضمون ایک رنگ میں درست ہے مگر لہجہ گستاخانہ ہے۔ حضرت مجدد سرہندی اپنی کسی محبت کے جوش میں کہہ گئے ہیں۔ ؎

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم | پنجہ در پنجہ ٔ خدا دارم

ارے مَیں نے تو خدا کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے مجھے محمد ﷺ کی کیا ضرورت ہے۔

درحقیقت اس کا مفہوم بالکل محدود تھا مگر شاعری نے اسے خراب کر دیا اگر وہ اسی مضمون کو نثر میں بیان کرتے تو نہایت عمدگی سے بیان کر سکتے تھے اور وہ مضمون یہی ہے کہ جہاں محبت کا تعلق ہوتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ ہر شخص کے لئے اپنی محبت پیش کر دیتا ہے۔ چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا وجود کیوں نہ ہو۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں آدھی رات کے بعد اللہ تعالیٰ آسمان سے اترتا اور اپنے بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے[2] اور رمضان کے ایام میں تو وہ اَور بھی قریب آجاتا ہے جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رمضان کے دنوں میں تم خوب دعائیں کیا کرو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ[3] کیونکہ مَیں تمہارے قریب آجایا کرتا ہوں مگر ہمارا خدا ایسا خدا نہیں جو ایک جگہ کے لئے محدود ہو۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے بلکہ اب تو کہنا چاہئے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے جب رمضان کے مہینے میں راتوں کے اوقات میں نصف رات کے بعد محمد ﷺ اٹھتے تھے اور خدا تعالیٰ کے سامنے جاکر گریہ وزاری اور محبت کا اظہار کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ عرش سے اتر کر

ان کے پاس آجاتا تھا مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جس وقت خدا محمد ﷺ کے پاس آجاتا تھا اور آپ کو تسلی دیتا تھا کہ اے محمد (ﷺ) تُو گھبراتا کیوں ہے مَیں تیرے پاس ہوں۔ اس وقت ابو بکرؓ کی آہ وزاری رائگاں جارہی ہوتی تھی اور اللہ تعالیٰ کہتا تھا کہ محمد میرا معشوق ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے مَیں تیرے پاس کس طرح آجاؤں نہیں بلکہ وہی خدا ایک ہی خدا ہے۔ اس کا ایک اَور ظہور اسی وقت ابو بکرؓ کے پاس بھی بیٹھا ہوا ہوتا تھا اور ابو بکرؓ سے کہہ رہا ہوتا تھا کہ ابو بکرؓ گھبراتا کیوں ہے، مَیں تیرے پاس ہوں اور جب ابو بکرؓ گریہ وزاری کر کے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا تو عمرؓ بھی اپنے گھر میں اپنے ظرف کے مطابق چِلّا رہا ہوتا تھا اور کہتا تھا اے خدا مَیں تیرا قرب چاہتا ہوں۔ تم یہ مت خیال کرو اور در حقیقت ایسا خیال کرنا کفر ہے کہ خدا تعالیٰ اس وقت کہتا ہوگا عمرؓ یہ کیسی نادانی ہے۔ محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے مَیں تیرے پاس کس طرح آجاؤں ، پھر اس کے بعد ابو بکرؓ کا مقام ہے۔ ان دو کے ہوتے ہوئے مَیں تیرے پاس نہیں آسکتا۔ یہ جواب اللہ تعالیٰ عمرؓ کو نہیں دیا کرتا تھا بلکہ اس وقت عمرؓ بھی اپنے ظرف کے مطابق ایک خدا کو اپنے پاس پاتا تھا جو اس سے یہ کہہ رہا ہوتا تھا کہ عمرؓ مَیں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو گھبراتا کیوں ہے۔ مَیں تو تیرے پاس ہی ہوں۔ پھر یہ سلسلہ اسی طرح درجہ بدرجہ چلتا چلا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ جاروب کش عورت جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی اور جس کے مرنے پر صحابہؓ نے اتنی ضرورت بھی نہ سمجھی کہ رسول کریم ﷺ کو اطلاع دے دیں۔[4] جب وہ رات کو کھڑی ہوتی تھی اور اپنے محدود ایمان اور کمزور عقیدے اور تھوڑے سے علم کے باوجود خدا تعالیٰ کے حضور فریاد کرتی تھی کہ اے خدا اپنی محبت کی ایک چنگاری میرے قلب میں بھی سلگا دے اور مجھے بھی اپنے قرب میں جگہ عطا فرما اس وقت ایک خدا اس کی جھونپڑی میں بھی اترا ہوا ہوتا تھا اور اس بڑھیا کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہا ہوتا تھا کہ اے بڑھیا روتی کیوں ہے مَیں تو تیرے پاس ہوں۔ پس در حقیقت حضرت مجدد صاحب سرہندی کے اس شعر کا یہی مفہوم ہے کہ ہمارے خدا کا ایک ہاتھ نہیں بلکہ اس خدا کے اتنے ہی ہاتھ ہیں جتنے ہاتھ اس کی طرف محبت اور پیار کے ساتھ بڑھتے ہیں۔ اگر کسی وقت دس ہاتھ نہایت اشتیاق کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف بڑھتے ہیں تو اس کے بھی دس ہاتھ بن جاتے ہیں اور اگر

کسی وقت ایک لاکھ ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے بھی ایک لاکھ ہاتھ بندوں کے مصافحہ کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور اگر کسی وقت ایک کروڑ ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں تو خدا تعالیٰ کے بھی ایک کروڑ ہاتھ بندوں کے مصافحہ کے لئے بڑھتے ہیں۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ میرے خدا نے مجھ سے مصافحہ کیا حالانکہ اس نے سب سے مصافحہ کیا ہوتا ہے۔ ہم ایک ہاتھ والے اپنے اوپر قیاس کر کے سمجھتے ہیں کہ جب ہم ایک وقت میں ایک شخص سے ہی مصافحہ کر سکتے ہیں تو خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی کرتا ہوگا مگر یہ درست نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف جتنے ہاتھ بڑھیں اتنے ہی ہاتھ خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی طرف بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی مضمون تھا جسے پرانے ہندو رشیوں نے اس رنگ میں بیان کیا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی تصویروں میں کئی ہاتھ اور کئی سر بنا دیتے تھے۔ لوگوں نے ان کا اصل مفہوم نہ سمجھا اور یہ خیال کر لیا کہ دیووں کی طرح خدا تعالیٰ کے بھی سچ مچ کئی ہاتھ اور کئی سر ہوتے ہیں حالانکہ ان رشیوں اور بزرگوں نے صرف یہ بتایا تھا کہ تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے تو اس کی محبت میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ دوسروں کی محبت کا اسے کوئی خیال بھی نہیں رہتا۔ اسی طرح یہ مت خیال کرو کہ جب وہ کسی کو بڑا بناتا ہے تو دوسرے محبت کرنے والوں کو نظر انداز کر دیتا ہے بلکہ جتنے ہاتھ اس کی طرف اشتیاق اور محبت سے بڑھتے ہیں اتنے ہی خدا تعالیٰ کے ہاتھ نکل آتے ہیں اور جتنے لوگ اس کی طرف مُنہ کرتے ہیں اتنے ہی اس کے مُنہ بن جاتے ہیں۔ ہر شخص سمجھتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور اس کا مُنہ میرے مُنہ کی طرف ہے حالانکہ اس کا ہاتھ ہر اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو اس کی طرف محبت کے ساتھ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور اس کا مُنہ ہر اس شخص کے مُنہ کی طرف ہوتا ہے جو محبت اور پیار سے اس کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ یہی وہ بات ہے جو حضرت مجدد صاحب نے بیان کی کہ ؎

پنجہ در پنجہ ٔ خدا دارم من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

ارے نالائقو! تم سمجھتے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے نکلے تب وہ میرے ہاتھ میں آئے گا؟ نہیں! بلکہ اس کا ایک ہاتھ میرے ہاتھ میں بھی ہے اور مَیں اس انتظار میں نہیں کہ کب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوں کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ مَیں اپنے ہاتھ میں پکڑوں۔

یہی وہ مفہوم تھا جو حضرت مجدد صاحب سرہندی نے بیان کیا اور یہی وہ مفہوم تھا جسے ہندو بزرگوں نے خدا تعالیٰ کی تصویریں بنا کر اور اس کے کئی سر اور کئی ہاتھ بنا کر پیش کیا اور لوگوں کو تسلی دی کہ خدا تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتے وقت تم یہ مت خیال کرو کہ ہم چھوٹے ہیں ہم سے خدا کب محبت کرے گا۔ اس کے جتنے عاشق ہوتے ہیں اتنے ہی اس کے ہاتھ بن جاتے ہیں اور جتنے عاشق ہوتے ہیں اتنے ہی اس کے مُنہ بن جاتے ہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ جتنے عاشق ہوتے ہیں اتنے ہی خدا تعالیٰ کے سینے بھی بن جاتے ہیں جن سے وہ اپنے عشاق کے سینے لگاتا ہے مگر چونکہ تصویر میں اس کا اظہار نہیں کیا جاسکتا تھا اس لئے انہوں نے صرف ہاتھوں اور مونہوں کی کثرت پر ہی اکتفا کیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے عاشقوں سے صرف مصافحہ ہی نہیں کرتا، صرف ان کی طرف مُنہ ہی نہیں کرتا بلکہ وہ ان سے معانقہ بھی کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ کا دیکھنا اور خدا تعالیٰ کا مصافحہ کرنا اَور خدا تعالیٰ کا اپنے بندوں سے معانقہ کرنا اَور رنگ کا ہوتا ہے۔ نادان انسان ہر چیز کو مادی شکل دے دیتا ہے حالانکہ ان چیزوں کو ظاہری دیکھنے، ظاہری مصافحہ کرنے اور ظاہری معانقہ کرنے سے کوئی نسبت نہیں، یہ محض روحانی کیفیات ہیں جن کا مومنوں کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ غرض رمضان کے دنوں میں اللہ تعالیٰ مومنوں پر ظاہر ہوتا اور ان کے بہت ہی قریب آجاتا ہے۔ پس ان ایام میں ہر شخص کے لئے موقع ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں بڑھے اور اس کے قرب کو حاصل کرے۔ بے شک دوسرے دنوں میں بھی اس کے قرب کے دروازے کھلے رہتے ہیں مگر ان دنوں میں وہ اَور دنوں کی نسبت زیادہ کھل جاتے ہیں اور ہر شخص کے گھر میں رمضان آجاتا ہے۔ جب رمضان کا مہینہ قریب آتا ہے تو جس طرح کسی کا بیٹا دیر سے جدا ہو اور وہ ملنے کے لئے آئے تو وہ دوڑ کر اپنے بیٹے سے ملنے جاتا ہے۔ اسی طرح ہر شخص کو رمضان کا اشتیاق ہوتا ہے، وہ اس سے ملتا ہے اور جانتا ہے کہ رمضان کے پردے کے پیچھے میرا خدا بیٹھا ہوا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے رمضان کا بدلہ مَیں ہوں۔ پس جب تم رمضان کو ملے تو درحقیقت رمضان کے پردے میں تم مجھے ملے کیونکہ مَیں ہی رمضان کے پردے کے پیچھے بیٹھا ہوا ہوتا ہوں۔ پھر جب وہ جاتا ہے تو ویسا ہی کرب اور اضطراب اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے جیسے محبت کرنے والے کے دل میں

اپنے کسی عزیز اور پیارے کی جدائی پر کرب اور اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو جب کسی کا محبوب اور پیارا جدا ہوتا ہے تو وہ کچھ دور تک اس کے ساتھ جانے کی کوشش کرتا ہے، کوئی سٹیشن تک چلا جاتا ہے، کوئی اڈے تک چلا جاتا ہے اور کوئی سفر کا بھی کوئی حصہ اس کے ساتھ طے کرتا ہے۔ یہی حال رمضان کی جدائی پر ایک مومن کا ہوتا ہے۔ اسی لئے جب رمضان کا مہینہ ختم ہوتا تھا تو رسول کریم ﷺ اگلے مہینے میں بھی چھ روزے رکھا کرتے تھے۔[5] یہ چھ روزے رکھنا کیا تھا ویسا ہی فعل تھا جیسے کوئی شخص کسی کو وداع کرنے کے لئے جاتا ہے۔ جب تمہارا کوئی دوست یا تمہارا بیٹا یا تمہارا بھائی یا تمہارا باپ تم سے جدا ہونے لگتا ہے اور خدا تعالیٰ تمہیں فرصت اور توفیق دیتا ہے تو تم میں سے کوئی انہیں کمرے کے دروازہ تک چھوڑنے چلے جاتے ہیں، کوئی سٹیشن تک چلے جاتے ہیں اور کوئی دو سٹیشن تک چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح محمد ﷺ رمضان کو چھ منزلیں چھوڑنے جایا کرتے تھے مگر آجکل بدقسمتی سے مسلمانوں کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ وہ رمضان کو کچھ دن پہلے ہی وداع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ رمضان کے ایام میں جو آخری جمعہ آتا ہے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ جمعۃ الْوداع ہے یعنی لو جی رخصت۔ ہماری طرف سے رمضان صاحب خواہ دو دن باقی ہوں یا چار دن آپ ابھی سے رخصت ہیں حالانکہ آخری جمعہ کو جمعۃُ الْوداع کہنے والے اگر اس بات میں سچے ہوتے اور انہوں نے رمضان کے پہلے دنوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہوتا تب بھی رمضان کو قبل از وقت الوداع کہنے کے باوجود انہیں بہت کچھ مل جاتا مگر حقیقت یہ ہے کہ جو جمعۃُ الْوداع کا دن ہوتا ہے۔ وہی ان کا رمضان کے استقبال کا بھی دن ہوتا ہے۔ بے شک روزے مسلمان رکھ لیتے ہیں مگر اول تو روزوں کی جو شرائط ہیں ان کو وہ پورا نہیں کرتے پھر رمضان کے دنوں میں بھی نماز وقت پر پابندی سے نہیں پڑھتے اور دعاؤں کے تو قریب بھی نہیں جاتے۔ ایسی صورت میں جمعۃُ الْوداع کا پورا نام درحقیقت جمعۃُ الْاِسْتِقْبَال وَ الْوداع ہوتا ہے۔ یعنی آج ہی ہم رمضان کو ملنے جاتے ہیں اور آج ہی اسے رخصت کرنے جاتے ہیں۔ اس سے پہلے جو بعض دفعہ چوبیس پچیس دن گزرے ہوتے ہیں ان میں انہوں نے کوئی فائدہ اٹھایا نہیں ہوتا۔ اگر جمعہ کو عید ہو جائے اور تیس دن کا رمضان کا مہینہ ہو تو رمضان کی 23 تاریخ کو جمعۃُ الْوداع ہوتا ہے اور اگر جمعہ کو

عید نہ ہو تب بھی تئیس کے بعد کسی دن جمعۃُ الْوداع ہوتا ہے۔ مگر اس تمام عرصہ میں انہوں نے کوئی کام نہیں کیا ہوتا۔ اگر جمعۃُ الْوداع کے بعد کے ایام میں وہ کام چھوڑ دیتے اور پہلے تئیس دن خدا تعالیٰ کے لئے اپنے نفس پر مشقت برداشت کر لیتے اور اس کے احکام کی پوری اطاعت اور فرماں برداری کرتے تب بھی مَیں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان پر ضرور رحم کرتا اور وہ کہتا میرے ان بندوں نے رمضان میں سے صرف سات دن ضائع کئے ہیں یا چھ دن ضائع کئے ہیں یا پانچ دن ضائع کئے ہیں یا چار یا تین دن ضائع کئے ہیں باقی دنوں سے انہوں نے فائدہ اٹھالیا ہے مگر وہ تو استقبال اور وداع دونوں اکٹھے کرتے ہیں اور ان کی مثال بالکل ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کوئی شخص سٹیشن پر کسی کا استقبال کرنے کے لئے جائے تو کہے خوش آمدید، خدا حافظ یعنی اچھے آؤ اور اچھے جاؤ۔ گویا ایک ہی سانس میں وہ یہ کہتا ہے کہ آپ کے آنے کی بڑی خوشی ہے اور اسی سانس میں وہ یہ کہتا ہے کہ آپ کے جانے کا بڑا رنج ہے۔ ایسے لوگوں کو رمضان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ رمضان ان کے لئے مردہ گزر جاتا ہے۔

پھر کسی شخص نے ان کے دل میں یہ غلط خیال پیدا کر دیا ہے کہ اس دن آکر اگر وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیں اور چند نفل پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ اپنے سارے گلے اور شکوے بھول جاتا ہے۔ بے شک ہمارا خدا بڑا رحم کرنے والا ہے مگر آخر وہ بادشاہ ہے اور بادشاہ تمسخر اور استہزاء کو پسند نہیں کیا کرتے۔ وہ کب اس ہنسی کو پسند کر سکتا ہے کہ باقی سارے دن تو غفلت میں گزار دیئے جائیں نہ روزے رکھے جائیں، نہ نمازیں پڑھی جائیں، نہ دعاؤں سے کام لیا جائے، نہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت دل میں پیدا کی جائے اور اس دن مسجد میں آکر دس بیس نفل پڑھ لئے جائیں اور یہ سمجھ لیا جائے کہ مَیں خدا کے سارے قرضے اتار آیا ہوں۔ ہم بچپن میں ایک قصہ سنا کرتے تھے جسے سن کر ہنسا کرتے تھے حالانکہ درحقیقت وہ ہنسنے کے لئے نہیں بلکہ رونے کے لئے بنایا گیا تھا اور اس میں موجودہ مسلمانوں کا ہی نقشہ کھینچا گیا تھا مگر اس قصہ کے بنانے والے نے اشارے کی زبان میں مسلمانوں کی حالت کو بیان کیا تا کہ مولوی اس کے پیچھے نہ پڑ جائیں۔ وہ قصہ یہ ہے کہ کوئی لونڈی تھی جو سحری کے وقت باقاعدہ اٹھا کرتی مگر روزہ نہیں رکھتی تھی۔ مالکہ نے سمجھا کہ شاید یہ کام میں مدد دینے کے لئے اُٹھتی ہے مگر چونکہ وہ

روزہ نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے مالکہ نے خیال کیا کہ اسے خواہ مخواہ سحری کے وقت تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے، اس وقت کا کام مَیں کر لیا کروں گی چنانچہ دو چار دن کے بعد مالکہ اس سے کہنے لگی۔ لڑکی تُو سحری کے وقت نہ اٹھا کر ہم خود اس وقت کام کر لیا کریں گے تمہیں اس وقت تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات سن کر اس لڑکی نے نہایت حیرت کے ساتھ اپنی مالکہ کے چہرہ کی طرف دیکھا کہ یہ مجھ سے کیا کہہ رہی ہے اور کہنے لگی بی بی نماز مَیں نہیں پڑھتی، روزہ مَیں نہیں رکھتی۔ اگر سحری بھی نہ کھاؤں تو کافر ہی ہو جاؤں۔ درحقیقت یہ تصویری زبان میں مسلمانوں کی حالت ہی بیان کی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اگر کسی مسلمان کو کہا جائے کہ میاں جمعۃُ الوداع سے کیا بنتا ہے۔ تم کیوں خواہ مخواہ اس کے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالتے ہو تو وہ حیرت سے تمہارے مُنہ کو دیکھنے لگ جائے گا اور کہے گا بھائی جان یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ روزانہ نمازوں کے لئے مَیں مسجد میں نہیں جاتا، روزے مَیں نہیں رکھتا۔ اگر جمعۃُ الوداع بھی نہ پڑھوں تو کافر ہی ہو جاؤں۔ پس یہ بھی ایک ہنسی ہی ہے کہ ایک وقت آکر نماز پڑھ لی اور سمجھ لیا کہ ہمارے سب فرائض ادا ہو گئے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ہی رمضان کو بھی رخصت کر دیا۔ کُجا محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا وداع تھا اور کُجا ان لوگوں کا وداع ہے۔ یہ لوگ ایک ہفتہ پہلے ہی رمضان کو وداع کر دیتے ہیں اور محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عید کے بعد شوال میں چھ روزے رکھ کر رمضان کو وداع کرنے جاتے تھے۔ محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا وداع رمضان کے ختم ہونے کے بعد ہوتا تھا اور آجکل کے مسلمانوں کا وداع رمضان کے ختم ہونے سے پہلے ہوتا ہے حالانکہ اگر مسلمان سوچتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ روزہ ضائع ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی بلکہ روزہ خواہ بیماری کی وجہ سے ضائع ہو یا سفر کی وجہ سے مومن کی روح سخت بوجھ محسوس کرتی ہے اور اسے غم ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کا حکم اپنی کسی معذوری کی وجہ سے بجا نہیں لا سکا۔ فرض کرو تمہارا کوئی پیارا دوست تم کو بلاتا ہے اور تم اس وقت بیمار ہو تو بے شک تم اس وقت معذور قرار دیئے جاؤ گے مگر کیا تم اس وقت ویسے ہی خوش ہو سکتے ہو جیسے وہ شخص خوش ہوتا ہے جسے اس کے دوست نے بلایا اور اس کے ملنے کے لئے چل پڑا یا کیا تم محض اتنے پر خوش ہو جاؤ گے کہ مَیں اس وقت بیمار پڑا تھا تم اس وقت خوش نہیں ہو گے بلکہ اپنے دوست

سے معذرت کروگے اور عذر انسان کو خوش نہیں کرتا بلکہ افسردہ کیا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عذر انسانی عمل کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے کیونکہ سچا غم ظاہری مصائب سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے۔ جن کے بالوں کا اکثر حصہ ایک دو دن کے اندر اندر غم کی وجہ سے سفید ہو گیا۔ چھ سات دن پہلے ان کے بال سیاہ تھے مگر یکدم کوئی ایسا غم پہنچا کہ ان کے بالوں کا اچھا خاصہ حصہ ایک دو دن کے اندر اندر سفید ہو گیا۔ ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں۔ جن کے سارے بال ایک دن کے اندر اندر سفید ہو گئے یعنی سفید کھونٹیاں نکل آئیں۔ یہ نہیں کہ اوپر کے بال بھی سفید ہو گئے۔ اب دیکھو ظاہری بیماریوں کی وجہ سے انسان بعض دفعہ دو دو، چار چار ماہ بیمار پڑا رہتا ہے اور اس کے بال سفید نہیں ہوتے مگر غم کی وجہ سے تھوڑے عرصہ میں ہی بالوں کا اکثر حصہ سفید ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل کا غم ظاہری تکلیف سے بہت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ پس جو شخص اپنی کسی معذوری کی وجہ سے اپنے رب تک نہیں جا سکتا۔ رمضان آتا ہے مگر بیماری یا کسی اَور عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا۔ اس کا دل اگر روزوں کے رہ جانے پر ایسا ہی غم اور صدمہ محسوس کرتا ہے تو یقیناً وہ خدا تعالیٰ کے حضور روزہ دار سمجھا جاتا ہے مگر یہ اس غم کی وجہ سے ہو گا جو اس کے دل کو روزے نہ رکھنے کی وجہ سے پہنچا ہو گا ورنہ جو لوگ رمضان کے ختم ہونے سے پہلے ہی اس کو وداع کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ ثواب نہیں مل سکتا۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک دفعہ صحابہؓ کے ساتھ جہاد پر جاتے ہوئے ایک وادی میں سے گزر رہے تھے۔ منزل سخت کٹھن تھی راستہ پُر خطر تھا۔ قدم قدم پر کانٹے تھے ان کے ہاتھ زخمی ہو رہے تھے۔ ان کے پیروں میں کانٹے چُبھ رہے تھے اور ہاتھ پاؤں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں کہ بعض صحابہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آج ہم نے بہت بڑا ثواب کمایا ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو بھی محسوس ہوا کہ صحابہ کے دلوں میں فخر کے خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ جب شام کو قافلہ منزل مقصود پر پہنچا تو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا۔ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ویسا ہی ثواب مل رہا ہے جیسے تم کو مل رہا ہے تم کسی وادی میں سے نہیں گزرے

مگر اس ثواب میں وہ بھی تمہارے ساتھ شریک رہے ہیں۔ اسی طرح تمہارے پاؤں میں کوئی کانٹا نہیں چبھا۔ جس کا ثواب تمہاری طرح ان لوگوں کو بھی نہ ملا ہو جو اس وقت مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔[6] صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ تکلیفیں ہم اٹھائیں اور ثواب میں وہ بھی ہمارے شریک ہو جائیں۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جو بغیر جہاد پر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ثواب حاصل کر رہے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس لئے جہاد سے پیچھے نہیں رہے کہ انہیں کوئی بیماری تھی یا کمزوری تھی یا غفلت ان کے دلوں میں پائی جاتی تھی بلکہ وہ اس لئے پیچھے رہے ہیں کہ خدا نے ان کو جہاد میں شامل ہونے کی توفیق ہی نہیں دی وہ اندھے تھے یا لولے تھے یا لنگڑے تھے اور اس وجہ سے جہاد میں شامل نہیں ہو سکتے تھے مگر ان کے دل اس غم سے خون ہو رہے ہیں کہ ہمارے بھائی تو ثواب کا یہ عظیم الشان موقع لے گئے اور ہم اس سے محروم رہے اور ان کے دلوں کے یہ غم اتنی شدت پکڑ گئے ہیں کہ خدا نے کہا دیکھو میرے بندوں کو دین کی ایک خدمت سے محروم رہنے کا کتنا غم ہوا ہے۔ اے فرشتو! ان کا نام بھی انہی لوگوں میں لکھ لو جو اس وقت جہاد کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ غرض دل کا غم معمولی چیز نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ یہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ انسان کو پاگل بنا دیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ کے ایک صحابی کا مَیں نے کئی دفعہ ذکر کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کئی دفعہ ذکر فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ [7] والی آیت جو آتی ہے۔ اسی آیت کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ واقعہ بیان کیا کرتے تھے بلکہ اس آیت کا شانِ نزول بھی بعض لوگ اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں۔ بدر کی جب لڑائی ہوئی تو صحابہ نے اس جنگ میں بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ ایسی قربانیاں کہ ان واقعات کو پڑھ کر دل ان کی محبت سے لبریز ہو جاتا ہے مگر بدر کی جنگ کا رسول کریم ﷺ نے کوئی اعلان نہیں کیا تھا۔ اس لئے بہت سے صحابہؓ اس میں شامل نہیں ہوئے تھے مگر وہ اپنے اخلاص میں دوسرے بھائیوں سے کم نہیں تھے جب بدر سے یہ لوگ واپس آئے اور صحابہ کو معلوم ہوا کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی پچھلے دنوں کتنے خطروں میں سے گزری ہے تو ان کے

دلوں میں بہت ہی افسوس پیدا ہوا کہ ہم اس خدمت کے لئے کیوں نہ جاسکے چنانچہ جب انہیں اپنے بھائیوں کے واقعات معلوم ہوتے کہ کس کس طرح انہوں نے خدمت کی تو وہ بے تاب ہو جاتے تھے مضطرب ہو جاتے تھے اور گھبراہٹ سے ان کا اپنے بھائیوں کے متعلق رشک انتہا تک پہنچ جاتا تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا کے متعلق احادیث میں ذکر آتا ہے کہ جب وہ جنگ بدر کا ذکر سنتے تو گھبرا کر کھڑے ہو جاتے اور سنانے والے کو جو یہ سنا رہا ہوتا تھا کہ ہم نے یوں کیا اور ہم نے یوں کیا۔ بڑے جوش کے ساتھ کہتے تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا مَیں اگر ہوتا تو تمہیں دکھاتا۔ اب وہ ہوتے کس طرح، وہاں تو تھے ہی نہیں۔ بظاہر یہ کتنی ہنسی کی بات ہے۔ بظاہر یہ ایک منافقت کی علامت ہے کیونکہ منافق ہی ہوتا ہے جو کام تو نہیں کرتا مگر دعوے یہ کرتا ہے کہ اگر مَیں ہوتا تو اس طرح کرتا کیونکہ وہ اپنا نفاق چھپانے کے لئے اس طرح کے دعوے کیا کرتا ہے لیکن کبھی مومن بھی اپنا اضطراب چھپانے کے لئے اس قسم کے الفاظ استعمال کر لیا کرتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ خدمت دین کا کوئی موقع میرے ہاتھ سے نکل گیا ہے تو وہ دل ہی دل میں اپنی اس محرومی پر کڑھتا ہے اور دوسرے بھائیوں کے واقعات سن کر کہتا ہے۔ اگر مَیں ہوتا تو تمہیں بتاتا کہ قربانی کس طرح کی جاتی ہے۔ حضرت انسؓ کے چچا کی بھی یہی حالت تھی۔ وہ جب دیکھتے تھے کہ مَیں بدر کی جنگ میں محمد ﷺ کی جان بچانے والوں میں نہیں تھا تو ان کا دل کانپنے لگ جاتا تھا، بیٹھنے لگ جاتا تھا اور اس کا انہیں ایک ہی علاج نظر آتا تھا جیسے ڈاکٹر کسی کا دل کمزور دیکھتے ہیں تو اسے سپرٹ ایمونیا ایرومیٹک دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کے لئے بھی سپرٹ ایمونیا ایرومیٹک یہی ہے کہ وہ کہتے مَیں اگر ہوتا تو بتاتا کہ کس طرح قربانی کیا کرتے ہیں۔ اگر اس طرح وہ اپنے دل کو تسلی نہ دیا کرتے تو شاید اس غم کی شدت کی وجہ سے وہ اسی وقت مر جاتے مگر ان کا یہ کلام منافقوں کی طرح نہیں تھا۔ آخر خدا نے ان کا امتحان لیا اور دنیا پر ان کے اخلاص اور ایمان کو ظاہر کر دیا چنانچہ وہ دن آیا جب جنگ احد ہوئی۔ وہ بھی اس لڑائی میں شامل ہوئے اور انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ خوب لڑے اور خوب محمد ﷺ کو کفار کے حملوں سے بچایا۔ آخر فتح ہوئی اور فتح کے بعد مسلمان دشمن کو قیدی بنانے اور اس کا مال و اسباب جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ نادان دشمن اس کا نام لوٹ مار

رکھتا ہے حالانکہ یہ لوٹ مار نہیں ہوتی بلکہ دشمن کو کمزور کرنے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ بہر حال انہوں نے سمجھا کہ اب میرا فرض پورا ہو گیا ہے۔ انہیں بھوک لگی ہوئی تھی اور چند کھجوریں ان کے پاس تھیں، وہ میدان جنگ سے کچھ پیچھے ہٹ کر فتح کی خوشی میں ٹہلنے لگ گئے اور کھجوریں کھانے لگے، کھجوریں کھاتے اور ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک طرف آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک پتھر ہے جس پر حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں وہ ان کو دیکھ کر حیران ہو گئے کہ آج تو ہنسنے کا دن ہے، خوش ہونے کا دن ہے، مبارکبادیوں کا دن ہے۔ ایسے موقع پر یہ رو کیوں رہے ہیں چنانچہ وہ حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوئے اور انہیں کہا ارے میاں! آج تو خوشی کا دن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور تم اس وقت رو رہے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا شاید تمہیں پتہ نہیں کہ فتح کے بعد کیا ہوا انہوں نے کہا کیا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ دشمن کا لشکر پیچھے سے آیا اور اس نے دوبارہ حملہ کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی لشکر تتر بتر ہو گیا اور رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے۔ اس انصاری نے کہا عمرؓ تو پھر بھی یہ رونے کا کونسا مقام ہے۔ ایک کھجور ان کے ہاتھ میں رہ گئی تھی۔ وہ انہوں نے اسی وقت پھینک دی اور اسے کہا۔ تیرے اور میرے خدا کے درمیان سوائے ایک کھجور کے اَور ہے کیا۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ کی طرف دیکھا اور کہا عمرؓ! اگر رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو پھر اس دنیا میں ہمارا کیا کام ہے۔ پھر جہاں وہ گئے ہیں وہیں ہم بھی جائیں گے یہ کہہ کر تلوار لی اور اکیلے ہی دشمن کے لشکر پر جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، حملہ آور ہو گئے۔ ایک آدمی کی ہزاروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہوتی ہے۔ چاروں طرف سے ان پر حملے شروع ہو گئے اور وہ وہیں شہید ہو گئے۔ جنگ کے بعد جب رسول کریم ﷺ نے ان کی لاش تلاش کرائی تو ان کے جسم کے ستّر ٹکڑے ملے بلکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ ان کی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ آخر انگلی کے ایک نشان کے ذریعہ ان کی ایک بہن نے یا کسی اَور رشتہ دار نے ان کو شناخت کیا۔[8] تو دیکھو تو خدا تعالیٰ نے احد میں اس قسم کا نظارہ کیوں دکھایا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ خاموشی سے شہید ہو جاتے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خاموشی سے شہید نہیں ہونے دیا بلکہ ان کی شہادت کو خوب نمایاں کیا تاکہ ان کے اخلاص اور ایمان کا اظہار ہو اور دنیا کو معلوم ہو کہ جب وہ کہا کرتے تھے کہ مَیں اگر بدر میں

ہوتا تو تمہیں بتاتا کہ کس طرح قربانیاں کیا کرتے ہیں۔ اس وقت وہ محض تعلّی سے کام نہیں لے رہے ہوتے تھے بلکہ اپنی بے تابی اور اضطراب کا اظہار کر رہے ہوتے تھے بے شک جنگ بدر کو اس صحابیؓ نے کھو دیا مگر جنگ بدر کے کھوئے جانے کا اسے اتنا شدید صدمہ ہوا کہ خدا کے نزدیک وہ بدری ہی سمجھا گیا۔ ان کی یہ مضحکہ خیز حرکت کہ لڑائی میں تو شامل نہ ہو سکے مگر جب واقعات سنتے تو گھبرا کر کہہ اٹھتے کہ مَیں اگر ہوتا تو اس سے بڑھ کر قربانیاں کرتا۔ یہ دکھاوا نہیں تھا بلکہ ایک کرب تھا، ایک درد تھا، ایک عاشق کی پکار تھی، ایک فریاد تھی خدا تعالیٰ کے حضور کہ اے خدا تُو نے یہ موقع مجھے کیوں نہ دیا۔

یہی حالت جب عبادت کرنے والوں پر آتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ ان کے لئے بھی ویسا ہی ہو جاتا ہے اور انہیں بھی عمل سے بہت بڑھ کر ثواب دے دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مَیں نے بارہا یہ واقعہ سنا ہے کہ حضرت معاویہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے اور سوئے رہے شاید اس رات کو وہ زیادہ دیر تک کام کرتے رہے تھے بہرحال صبح وقت پر ان کی آنکھ نہ کھلی اور نماز کا وقت ضائع ہو گیا۔ اس کا انہیں اتنا غم ہوا کہ سارا دن انہوں نے رو رو کر گزار دیا۔ بارہا انہیں خیال آتا کہ مجھ سے کس قدر کوتاہی ہوئی کہ مَیں نماز کے لئے وقت پر نہ اٹھ سکا اور بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرتے۔ دوسرے دن انہوں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ کوئی شخص انہیں نماز کے لئے جگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے اٹھ اور نماز پڑھ۔ وہ کشفی حالت میں ہی گھبرا کر اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک اجنبی ان کے کمرے میں کھڑا ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا تُو کون ہے۔ وہ کہنے لگا مَیں ابلیس ہوں۔ کہنے لگے ابلیس! قرآن تو کہتا ہے کہ وہ نیکیوں سے روکتا ہے اور تُو نماز باجماعت کے لئے مجھے جگانے آ گیا۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا بات یہ ہے کہ کل مَیں نے تمہیں سلائے رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم ایک نماز وقت پر نہ پڑھ سکے مگر اس پر تم نے سارا دن اتنی ندامت کا اظہار کیا اور اس قدر روئے اور گڑگڑائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں سے کہا کہ میرے اس بندے کو نماز ضائع ہونے کا بہت ہی صدمہ ہوا ہے اس کی نیکیوں کے خانہ میں ایک نماز کے ثواب کی بجائے سو نمازوں کا ثواب لکھ دو۔ مَیں نے سمجھا کہ اگر آج بھی تمہاری نماز رہ گئی تو تم رو رو کر اَور سو نمازوں کا ثواب لے جاؤ گے۔

میری غرض تو تمہیں ثواب سے محروم رکھنا ہے نہ کہ اَور زیادہ ثواب دلانا۔ اس لئے مَیں نے یہی مناسب سمجھا کہ تم کو نماز کے لئے جگا دوں تا تم کو ایک نماز کا ہی ثواب ملے سَو نمازوں کا ثواب نہ ملے۔ تو دیکھو سچی ندامت اور سچی خواہش جن لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ ہمارے خدا نے ان کے لئے بھی اپنے رحم کے سامان پیدا کئے ہوئے ہیں۔ پس جہاں یہ مضمون ان لوگوں کے لئے ملامت ہے جن کو خدا تعالیٰ ثواب کا موقع عطا فرماتا ہے مگر وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اور اگر اٹھاتے ہیں تو خدا تعالیٰ پر احسان جتلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بڑے نمازی ہیں، ہم بڑے روزہ دار ہیں، ہم بڑے حاجی ہیں بلکہ حج تو ایسی چیز ہے کہ اگر کوئی حج کر آئے تو اپنے نام کے ساتھ خود حاجی لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی شخص نمازیں پڑھے تو اپنے آپ کو نمازی کہنا شروع کر دے مگر جب کوئی حج کر کے آتا ہے تو اپنے آپ کو حاجی کہنا شروع کر دیتا ہے گویا وہ نیکی تو کرتے ہیں مگر اس پر فخر کرتے اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خدا تعالیٰ پر بہت بڑا احسان کر دیا اور اس کی خدائی انہوں نے بنا دی۔ ورنہ خدا تو نَعُوْذُ بِاللّٰہ بالکل کنگال تھا۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو روزے باوجود استطاعت کے نہیں رکھتے، نمازیں نہیں پڑھتے، اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے بھی ملامت ہی ہے۔ مگر وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے روزے رکھنے کی توفیق نہیں دی بیماری کی وجہ سے یا سفر کی وجہ سے اور وہ روزوں کو پیچھے ڈالنے پر مجبور ہوئے ہیں ایسے لوگوں کو بھی خدا تعالیٰ نے یونہی نہیں چھوڑا بلکہ اگر واقع میں ان کے دلوں میں اخلاص پایا جاتا ہے اور وہ سچے اور مخلص مومن ہیں تو وہ بے روز ہو کر بھی روزہ دار ہیں کیونکہ ایسے شخص نے عشق کی وجہ سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے تابع کر دیا ہوتا ہے۔ جب خدا کہتا ہے اے میرے بندے! تُو روزے نہ رکھ کیونکہ تُو بیمار ہے۔ تو وہ کہتا ہے اے میرے رب! مَیں نہیں رکھتا اور جب خدا کہتا ہے اے میرے بندے آج تُو اچھا ہے، آج روزہ رکھ لے تو وہ خدا کے حکم کے ماتحت روزہ رکھ لیتا ہے۔ پس جب وہ روزہ رکھ رہا ہوتا ہے تب بھی روزہ دار ہوتا ہے اور جب روزہ کسی معذوری کی وجہ سے چھوڑتا ہے۔ تب بھی روزہ دار ہوتا ہے، نادان دنیا اسے دیکھتی ہے اور کہتی ہے اس نے روزہ نہیں رکھا حالانکہ خدا کے

نزدیک وہ ویسے ہی روزے دار ہوتا ہے جیسے وہ لوگ جنہوں نے روزے رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جب امرتسر میں لوگ پتھر برسا رہے تھے اس وجہ سے کہ آپ نے کیوں روزہ نہیں رکھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کے فرشتے آپ پر پھول برسا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اے احمد! تیرا یہ بے روزہ ہونا ہمارے نزدیک اتنا بڑا روزہ ہے کہ دنیا کے سارے روزے اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے کیونکہ یہ تیرا بے روز ہونا ہمارے حکم کے ماتحت ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس وقت روزے رکھے ہوئے تھے مگر ان کے دلوں میں اخلاص نہیں تھا، ایمان نہیں تھا، محبت نہیں تھی اور نہ روزہ کی شرائط کو انہوں نے پورا کیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کو مخاطب کر کے کہہ رہے تھے کہ اے بے روزو! تم اسی کو پتھر مار رہے ہو جو ایک ہی روزہ دار ہے مگر نادان دنیا ان باتوں کو نہیں سمجھتی۔ وہ خدا تعالیٰ کے ان باریک روحانی قوانین سے ناواقف ہوتی ہے جنہوں نے ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے لئے فضل کا دروازہ کھولا ہوا ہے۔ وہ سامانوں والا جس کے پاس ہر قسم کے سامان ہوتے ہیں اور ان سامانوں سے کام لے کر نیکیوں میں حصہ لیتا ہے۔ روپے ہوں تو زکوٰۃ دے دیتا ہے، علم ہو تو دوسروں کو علم سکھا دیتا ہے، طاقت ہو تو روزے رکھ لیتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا کیا ہے۔ میرے پاس کثرت سے سامان ہیں مَیں ان سے کام لے کر جب بھی چاہوں نیکی میں حصہ لے سکتا ہوں۔ وہ اپنے دل میں غرور سے یہ سمجھتا ہے کہ شاید نیکی کی سب سے زیادہ مجھے ہی توفیق ملی ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کے لئے بھی ثواب حاصل کرنے کا ویسا ہی موقع ہوتا ہے جس کے پاس کوئی سامان نہیں ہوتے۔ جس کے پاس کوئی روپیہ نہیں ہوتا جس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہوتی مگر اس کے لئے سب سے پہلی شرط ایمان ہے۔ وہ لوگ جن کے دل ایمان سے خالی ہوں، جن کے دل اخلاص سے خالی ہوں، جن کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہوں، وہ اس گروہ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ دنیا میں بعض نادان جھوٹے دھوکے باز اور فریبی تصوف کے رنگ میں دوسروں سے کہا کرتے ہیں کہ اجی ہمارے روزہ نہ رکھنے کا تم کیا ذکر کرتے ہو۔ ہمارے بے نماز ہونے سے تم کو کیا کام۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہر وقت مدہوش رہتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ پہلے اپنی نماز ناگزاری اور بے روزہ داری کی وجہ سے دوزخ کے

تیسرے درجہ میں ہوتے ہیں۔ تو اس فخر کی وجہ سے وہ دوزخ کے چوتھے درجہ میں چلے جاتے ہیں۔ ثواب اسی کو ملتا ہے جو اخلاص سے کام لیتا ہے جو سامانوں سے تہی دست ہونے کی وجہ سے کڑھتا اور اس غم کی وجہ سے پریشان رہتا ہے کہ مَیں فلاں نیکی سے محروم رہا۔ ایسا شخص عملی رنگ میں نیکی میں حصہ نہ لینے کے باوجود خدا تعالیٰ کے نزدیک اسی ثواب کا مستحق سمجھا جاتا ہے جس ثواب کے مستحق دوسرے لوگ ہوتے ہیں کیونکہ اس کے دل کا غم عمل کے قائم مقام ہو جاتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ کتنے ہوتے ہیں جو اپنے دل کے غم کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک نماز پڑھ کر خدا تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جن کی نماز جاتی رہی ہو اور انہوں نے نماز کے ضائع ہونے پر اس قدر غم کیا ہو کہ خدا نے یہ فیصلہ کر دیا ہو کہ انہیں بھی نماز پڑھنے والوں جیسا ثواب دے دیا جائے۔ نماز کسی کی اسی حالت میں ضائع ہو سکتی ہے جب وہ بے ہوشی کی حالت میں ہو مگر بے ہوش ہونے والوں میں سے کتنے ہوتے ہیں جنہیں بعد میں نماز کے ضائع ہونے کا ایسا دکھ پہنچتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی حالت غم کی وجہ سے موت سے بدتر ہو گئی ہے۔ یقیناً ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ پس میرے نزدیک نماز سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں مگر نماز ضائع ہونے پر اپنے دل کے غم کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر لینے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ اسی طرح روزوں سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے بہت زیادہ ہوتے ہیں مگر روزہ سے معذوری پر سچے غم کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں حالانکہ کام انہیں تھوڑا کرنا پڑتا ہے مگر چونکہ اس میں دل کے غم کا تعلق ہے اور یہ غم ہر شخص کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے اپنے دل کے غم کی وجہ سے بہت کم لوگ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور دل کا غم ہمیشہ عشق سے پیدا ہوتا ہے۔ جس شخص کے دل میں عشق نہ ہو وہ کبھی کسی نیکی کے ضائع ہونے پر اس قدر غم نہیں کر سکتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے غم کو ہی نیکی کا قائم مقام بنا دے۔ قصہ مشہور ہے کہ ہارون الرشید کے پاس ایک دفعہ کوئی شخص آیا جس کا رنگ بہت زرد تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرا رنگ اس قدر زرد کیوں ہے۔ اس نے کہا بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک دفعہ کچھ

تجارت کا مال تھا جس کی قیمت ایک شخص نے دو ہزار اشرفی دی اور مَیں اس خیال سے بہت ہی خوش ہوا کہ آج خوب نفع کمایا ہے مگر اس مال پر کسی بادشاہ کی نظر تھی۔ جب سودا ہو چکا اور اس نے مال سنبھال لیا تو وہ کہنے لگا مجھے بادشاہ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر یہ مال تمہیں ایک لاکھ اشرفی تک مل سکے تب بھی ایک لاکھ اشرفی دے کر مال خرید لینا۔ اس کا یہ فقرہ کہنا تھا کہ ایک دم میرا رنگ زرد ہو گیا۔ اس خیال سے کہ 98 ہزار اشرفیاں مجھ سے کھوئی گئیں۔ یہ ہے تو قصہ مگر دل کے صدمہ کی وجہ سے دنیا میں اس قسم کے واقعات کا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ ہارون الرشید نے کہا اچھا تمہارا رنگ زرد ہونے کی یہ وجہ ہے پھر اس نے اپنے خزانچی سے کہا جاؤ اور خزانہ سے ایک لاکھ اشرفیاں لے آؤ۔ وہ گیا اور اس نے ایک لاکھ اشرفیاں لا کر بادشاہ کے سامنے رکھ دیں۔ ہارون الرشید نے اس شخص سے کہا مَیں یہ تمام اشرفیاں تم کو دیتا ہوں۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت کیا واقع میں یہ اشرفیاں آپ نے مجھ کو دے دی ہیں۔ بادشاہ نے کہا ہاں۔ اس پر یکدم خوشی سے اس کا خون جوش میں آیا اور اس کے رنگ کی زردی سرخی میں تبدیل ہو گئی۔ تو غم انسان کی حالت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے اس کو عمل کا قائم مقام بنایا ہے۔ تم ہزار نماز منافقت سے پڑھ سکتے ہو مگر غم کا معمولی اثر بھی تم پر منافقت سے نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایمان تم کو پیچھے ملے اور نماز تم پہلے پڑھو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ غم تمہارے دل میں پہلے پیدا ہو اور ایمان اور اخلاص بعد میں پیدا ہو۔ بہرحال جن لوگوں نے کسی معذوری کی وجہ سے روزے نہیں رکھے، ان کے ثواب کے لئے بھی خدا تعالیٰ نے راستہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہے۔ ان کے لئے بھی خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے کھلے ہیں۔ باقی جو بہانے ساز ہیں ان کے لئے رمضان کا آنا یا نہ آنا برابر ہے۔ ان کا کسی ایک دن نماز پڑھنے کے لئے آ جانا۔ درحقیقت اپنے ایمان کے دعویٰ پر لعنت کی مہر لگا دینا ہے البتہ جو لوگ مخلص اور ایماندار ہیں ان کے اندر رمضان میں ہر روز ایک نئی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ ہر روز انہیں زیادہ دعاؤں کی توفیق ملتی ہے۔ ہر روز انہیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے اور ہر روز انہیں زیادہ پاکیزگی اور طہارت حاصل ہوتی ہے اور اگر اسباب کی تہی دستی کی وجہ سے کسی دن ان کو روزہ رکھنے کی توفیق نہیں ملتی۔ تو ان کا دل

اپنی اس محرومی پر اس قدر دردمند ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ویسا ہی ثواب دے دیتا ہے جیسے اور روزہ داروں کو ثواب دیتا ہے کیونکہ اس عملی تہی دستی کے ساتھ ان کے دل کا غم ملا ہوا ہوتا ہے اور اس وجہ سے یہ تہی دستی بھی خداتعالیٰ کو بہت پیاری لگتی ہے۔"

(الفضل 17 اکتوبر 1942ء)

1: بخاری کتاب الصوم باب فضل الصوم

2: بخاری کتاب التہجد باب الدعاء و الصلٰوۃ من اٰخر اللیل۔

3: البقرۃ:187

4: بخاری کتاب الجنائز باب اَلصَّلٰوۃُ عَلَی الْقَبْرِ (الخ)

5: مسلم کتاب االصِّیَام باب استحباب صوم سِتَّۃ ایام (الخ)

6: بخاری کتاب المغازی حدیث نمبر 4423 ایڈیشن 1999ء مطبوعہ ریاض

7: الاحزاب:34

8: سیرت ابن ہشام جلد 3 صفحہ 88 مطبوعہ مصر 1936ء